امام ابن حزمؒ کے نزدیک اجتہاد کا تصور اور اسکے اساسی وبنیادی ماخذ

حافظ حامد حماد*

محمد حماد*

Ijtihad is an important term and the basic part of Islamic Studies. Fiqh o Fatawa is the result of Ijtihad. The principles of Ijtihad are also called Usool-e-Fiqh. Islamic Scholars find the solution of non quoted problems of modern era in the light of Usool-e-Fiqh. It is as old as the Islam because it is used a lot of times by the Prophet and His Companions. At that time, it was not compiled but presented in the form of sayings and fatawas of the Prophet`s Companions. Imam Shafi is the pioneer who had compiled its principles and later on, a number of Islamic scholars had also continued it progressively. Ibn-e-Hazm is one of them who compiled the principles of Ijtihad or Usool-e-Fiqh and used it in his literary books. In this article, it is tried to provide the review of his concept of Ijtihad and its basic sources.

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری کی ابتدا میں ذکر کیا ہے کہ میں نے اپنی اس کتاب کا نام "فتح الباری بشرح البخاری" رکھا ہے۔(۱) متاخرین کے ہاں یہ کتاب "فتح الباری" کے نام سے معروف ہو گئی اور اب اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امام ابن حزم ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنہیں خدائے لم یزل کی جانب سے ذہانت و فطانت کا وافر حصہ عنایت کیا گیا ہے۔ آپ بلا کے حافظ و ضابط اور ذہین انسان تھے۔ علم کی وسعت، گیرائی اور گہرائی میں امام ابن حزمؒ اپنی مثال آپ تھے۔ علم الرجال کے عالم امام ذہبیؒ نے تو آپ کے بارے میں یہاں تک فرما دیا:

"رأس فی علوم الاسلام، متبحر فی النقل، عدیم النظیر"[1]

"آپ علوم نقلیہ کے سمند، بے مثل اور اسلامی علوم کے انتہائی ماہر تھے۔"

اجتہادی عمل تو ہر دور اسلامی میں ہوتا رہا مگر ابن حزمؒ نے اس کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جس کی وجہ سے وہ اس کے دائرہ کار کو بہت وسیع کرنا چاہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کو جس کے پاس جتنی صلاحیت و قابلیت ہے اسے اسی قدر اجتہاد سے کام لینا چاہیے، لکھتے ہیں: "فرض علیٰ کل احد طلب مایلزمہ علیٰ حسب مایقدر علیہ من الاجتہاد لنفسہ فی تعرف ما الزمہ اللہ تعالیٰ ---"[2]

"ہر شخص کے ذمے اس قدر اجتہاد فرض ہے جس سے وہ اللہ کے لازم کردہ امور کو پہچان سکے۔"

*پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

*پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور۔

آپ اپنی کتاب النبذ میں تحریر فرماتے ہیں:

''وعلیٰ کل احد حظہ الذی یقدر علیہ من الاجتہاد''[3]

''ہر آدمی کے لیے طاقت کے بقدر اجتہاد کرنا لازم ہے۔''

یہی وہ فکر ہے جس کی بنا پر ابن حزمؒ نے اجتہاد کا دروازہ چوپٹ کھول دیا، بلکہ آپ دیگر اصولیوں کی طرح مجتہد کے لئے بہت زیادہ شرائط مقرر نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں کہ جو آدمی قرآن و سنت سے کسی ایک مسئلے کو بھی صحیح طریقے سے جانتا ہے اسے اس مسئلے میں فتویٰ دینا روا ہے۔ اور اگر یہ بات ہو کہ صرف وہی عالم فتوی دے جسے علوم دینیہ پر مکمل عبور حاصل ہو تو رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی عالم کے لئے فتویٰ دینا جائز نہ ہوتا۔[4]

ہمیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف صحابہ کرام کو مختلف علاقوں میں لوگوں کی دینی تعلیم کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ وہ صحابہ تمام علوم دینیہ کے واقف اور احاطہ کرنے والے نہ تھے۔ ابن حزم نے یہ دلیل الاحکام[5] میں ذکر کی ہے۔

فروغ اجتہاد کے ساتھ ساتھ انہوں نے تقلید کی سختی سے مخالفت کی ہے۔ شائد اس دور میں تقلید کی وبا عام ہو رہی تھی جس کی بیخ کنی کیلئے آپ نے ہر آدمی پر اجتہاد فرض قرار دے دیا اور اس کی اہلیت کے مطابق تقلید کو حرام بتلایا۔

''والتقلید حرام ولا یحل لاحد ان یأخذ بقول احد بلا برہان''[6]

''اور تقلید حرام ہے، کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر دلیل کے کسی کے قول کو تسلیم کرلے۔''

اجتہاد و تقلید کے اس رویے نے آپ میں کئی طرح کے خصائل و اوصاف کو پیدا کیا ہے۔ چند ایک کا ذکر کیا جارہا ہے۔ یاد رہے کہ یہ وہ اوصاف ہیں جنہوں نے آپ کے اصول اجتہاد کی ترکیب و ترتیب میں خاص کردار ادا کیا۔

دلیل کی تلاش:

اجتہاد کرنے کے لئے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف جذبہ اجتہاد ناکافی ہوا کرتا ہے۔ دلائل نہ ہوں تو کس بنیاد پر اجتہاد کیا جائے گا۔ پروں کے بغیر پرندہ کیسے اڑان بھرے گا۔ یہ جذبہء اجتہاد ہی تھا جس نے امام ابن حزم کو دلائل وبراہین کی تلاش و جستجو پر مجبور کیا۔ دلائل وبراہین کی کثرت

امام ابن حزم کی کتب کا خصوصی وصف ہے۔ آپ کی کتاب الاحکام پر نظر ڈالی جائے تو اس میں اصول و فروع میں جابجا دلائل کے انبار نظر آتے ہیں۔ابن حزم بغیر دلیل کے بات کو عبث مانتے ہیں، لکھا:

" کل قول عجر والدعویٰ بلا برہان فھو مطروح ساقط" [7]

"کوئی بھی قول یا دعوی جو دلیل کے بغیر ہو، وہ ساقط اور ناقابل قبول ہے۔"

کسی بھی قول کے درجے ،وزن اور قدر و قیمت کو متعین کرنے والی چیز اس کا مبنیٰ اور اس کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا ابن حزم اپنی کتب میں مختلف جگہوں پر اس کا تذکرہ بھی کرتے ہیں اور تجزیہ بھی۔ جیسا کہ المحلی میں لکھتے ہیں:

"فلما اختلفوا کما ذکرنا وجب ان ینظر فیما احتجت بہ کل طائفۃ---"[8]

"جب ان میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ضروری ہے کہ ہر گروہ کے دلائل و استدلالات دیکھے جائیں۔"

دلیل کے بغیر ذکر کردہ قول کو خطا قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ تقاضائے عقل ہے کہ دلیل کے بغیر قول کو تسلیم نہ کیا جائے تاہم ابن حزم اس موقف کیلئے بھی درج ذیل قرآنی آیت بطور دلیل پیش کرتے ہیں: ﴿ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بِهَذَا ﴾ [9]

بہر حال دلیل وبرھان کی تلاش وجستجو کے جذبہ نے آپ کی کتب کو دلائل وبراھین سے بھر دیا ہے۔ کونسی چیز دلیل بن سکتی ہے اور حجت کا رتبہ کسے حاصل ہے اس کی تفصیل ایک الگ موضوع ہے۔

نصوص کی اتباع:

کتاب وسنت کی نصوص کو اہمیت دینا اور ان کی پیروی کرنا شیوہ مسلم ہے۔ کتاب وسنت کی نصوص سے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہی اسلام ہے۔ اسی اصول کو لیکر ابن حزم آگے بڑھے اور اس کیلئے درج ذیل آیت سے استدلال کیا:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾[10]

اور کہا کہ قرآن اور سنت میں بطور حجت واطاعت کے کوئی فرق نہیں۔

" والقرآن والخبر الصحیح بعضھا مضاف الی بعض وھما شیئ واحد فی انھما من عند اللہ تعالی و حکمھما حکم واحد فی باب وجوب الطاعۃ لھما---" [11]

اور یہ حقیقت ہے کہ دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ دونوں ہی اللہ کی جانب سے وحی شدہ ہیں۔ ابن حزم قرآن و سنت کی برابری کے اس شدت سے قائل ہیں کہ دیگر اصولیوں کے برخلاف کہتے ہیں کہ جیسے قرآن سنت کیلئے ناسخ بن سکتا ہے ایسے ہی سنت بھی قرآن کی ناسخ بن سکتی ہے خواہ وہ خبر واحد ہی کیوں نہ ہو۔[12]

مزید آگے بڑھتے ہیں اور آیت کریمہ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [13] اور ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ [14] سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نصوص کتاب و سنت میں تمام ضروری کلیات و جزئیات سمو دی گئی ہیں۔ لہذا قیاس و تعلیل کی ضرورت نہیں ہے۔[15]

اتباع نصوص کے اس جذبے کے تحت قیاس و تعلیل سے آپ کنارہ کش رہے اور اسے باطل قرار دیتے رہے۔

امام ابن حزم کے نزدیک اجتہاد کا معنی و مفہوم:

اجتہاد دراصل اس ذہنی کاوش کا نام ہے جو انسان بشری طاقت کی حد تک، شرعی احکامات جاننے کیلئے صرف کرتا ہے۔ جب اس ذہنی کاوش میں غلو پیدا ہو جائے وہ ایسے امور پر بھی سوچ و بچار کرتا ہے جن کا عمل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ کتب فقہ و اصول فقہ میں کئی ایسے مسائل ذکر ہو جاتے ہیں جن کا افعال و اعمال کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا۔ ابن حزم اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ کہیں انکا قلم جولانی طبع میں راہ اجتہاد سے نہ بھٹک جائے۔

مندرجہ بالا سطور میں ان امور کا تذکرہ کیا گیا ہے جو امام ابن حزم کے اجتہادی رویے کی تشکیل میں بہت حد تک کردار ادا کرتے ہیں۔ ذیل میں واضح کیا جائے گا کہ امام ابن حزم کا تصور اجتہاد کیا تھا اور وہ اجتہاد کے بنیادی ماخذ کن چیزوں کو قرار دیتے ہیں اور اجتہاد کرنے کیلئے مجتہد پر کونسی شرائط عائد کرتے ہیں۔

مختلف آئمہ اور فقہاء کے نزدیک اجتہاد کے معانی و مفاہیم اور اسکی شرائط مختلف ہیں۔امام ابن حزم اپنے آزاد ذہن اور وسعت مطالعہ کی بنا پر اجتہاد کے بارے میں اپنا الگ نقطہ نظر رکھتے ہیں۔اجتہاد کا لغوی معنی ہے کہ کسی پسندیدہ چیز کی طلب میں قوت صرف کرنا۔یہ جہد سے ماخذ ہے اور باب افتعال ہے۔امام ابن حزم اجتہاد کے اصطلاحی معنی اس طرح بیان کرتے ہیں:

"استنفاد الطاقة فی طلب حکم النازلة حیث یوجد ذلک الحکم"[16]

یعنی کسی معاملے کا شرعی حکم معلوم کرنے کیلئے وہاں اپنی طاقت کھپانا جہاں سے اسکا حکم معلوم ہو سکے۔ ابن حزم لکھتے ہیں یہ بات یقینی ہے کہ اللہ نے ہر معاملے کا حکم بتادیا ہے البتہ ہم میں سے بعض سے وہ پوشیدہ رہتا ہے اور بعض پر آشکار ہو جاتا ہے۔ امام موصوف کی اس تعریف کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہیں طے شدہ ہیں جہاں سے کسی معاملے کا شرعی حکم معلوم کیا جاسکتا ہے۔فرماتے ہیں:

علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم، رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ، آپ ﷺ کا فرمان، آپ کا فعل یا تقریر[17] وہ جگہیں ہیں جہاں سے شرعی حکم معلوم کیا جاسکتا ہے۔

التزام شریعت:

ہر انسان کیلئے شریعت اسلامیہ کو اختیار کرنا ضروری ہے۔جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین لیکر آئے گا وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔امام ابن حزمؒ کے نزدیک اصل چیز احکامات اسلامیہ ہی ہیں۔کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم،اس پر اسلامی احکامات لاگو کئے جائیں گے۔قرآن میں ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾[18]

لہذا اسلامی شریعت کافر و مومن دونوں کے لئے ہے البتہ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ جیسے امور کی قبولیت اسلام لانے پر موقوف ہے یعنی اسلام کے بغیر یہ اعمال قابل قبول نہیں۔آپ نفاذ شریعت کے اس قدر پرزور حامی ہیں کہ مسلم و غیر مسلم میں فرق نہیں کرتے اور زنا اور شراب نوشی کی حد سبھی کے لئے قرار دیتے ہیں بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کی شراب بہا دی جائے اور ان کے خنازیر قتل کر دئے جائیں اور ان کے سود کو کالعدم قرار دیا جائے۔

ایک مقام پر لکھتے ہیں:

" وکل من اباح لهم الخمر ثم لم يرض حتى اغرمها المسلم اذا اراقها عليهم فقد حكم بحكم الجاهليه---"[19]

" جو شخص ان کے لئے شراب کو جائز قرار دیتا ہے اور اس سے بڑھ کر، مسلمان پر جرمانہ عائد کرتا ہے اگر وہ اسے ضائع کر دے تو وہ جاہلیت کی فیصلہ سازی کرتا ہے"

شریعت کا یہ لزوم اور وجوب بلوغت کے ساتھ سے ضروری ہو جاتا ہے۔

وجوب اجتہاد:

چونکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے معاملات کو شرعی حیثیت سے جانچنا ضروری ہوتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جسے وہ نیکی سمجھ کر کرے وہ برائی ہو یا ایسی برائی کر بیٹھے جس سے نیکیا اور اعمال ضائع ہو جائیں۔ لہٰذا ابن حزمؒ اجتہاد کو ہر شخص پر فرض قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ لکھتے ہیں:

" فرض علیٰ کل احد طلب ما یلزمه علی حسب ما یقدر علیه من الاجتهاد لنفسه---"[20]

ابن حزمؒ کا ایسے حریت پسند شخص کا اجتہاد کو ضروری قرار دینا اور قرآن وسنت کے علاوہ کسی دوسرے فکری دائرے میں محدود ہونے کو حرام قرار دینا قرین قیاس بھی ہے۔ آپ دائرہ تقلید کو توڑنا چاہتے ہیں اور دین کے کسی گوشہ میں بھی تقلید کی اجازت نہیں دیتے۔

حرمت تقلید:

ابن حزمؒ تقلید کے سخت مخالف تھے اور دلائل کے ذریعے اس سے روکتے تھے۔ فرماتے ہیں:

" التقليد حرام ولا يحل لاحد ان ياخذ بقول احد من غير برهان---"[21]

تقلید حرام ہے اور کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی بات بغیر دلیل کے تسلیم کرے۔ آپ حرمت تقلید کے لیے عقلی نقلی دونوں طرح کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے:

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ﴾[22]

"جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسی کی پیروی کیجئے اور اسکے علاوہ دوسرے احباب کی پیروی نہ کیجئے، تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔"

اسی طرح سورۃ البقرۃ[23]، النساء[24] اور الزمر[25] سے بھی آپ نے حرمت تقلید پر استدلال کیا۔ ان کے علاوہ دیگر آیات آپ کی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں [26] دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان آیات کے بعد لکھتے ہیں:

"فقد صح بنص کلام اللہ تعالیٰ بطلان تقلید الرجال والنساء جملۃ وتحریم اتباع الآباء والرؤساء البتۃ وعلی ھذا کان السلف الصالح---" [27]

مزید کہتے ہیں کہ تمام صحابہ اول تا آخر اور تمام تابعین کا اس بات پر اجماع قائم ہو چکا ہے کہ ان میں سے کسی کیلئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنے میں سے کسی شخص کے تمام اقوال کو تسلیم کر لیں اور کسی قول کو بھی ترک نہ کر دیں۔ عقلی دلیل دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ صحابہ اکرام مثلاً ابو بکر و عمر، علی، ابن مسعود اور ابن عباسؓ کو چھوڑ کر ائمہ اربعہ کی تقلید اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ابن حزمؒ عام آدمی کیلئے بھی اجتہاد ضروری قرار دیتے ہیں اور اسکا اجتہاد یہ ہو گا کہ وہ پوچھے کہ اللہ کا حکم کیا ہے؟ بتلانے والا اسے بتلائے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اس طرح نہ بتلائے کہ یہ امام کا قول ہے۔ الغرض ابن حزمؒ تقلید کو ہر اعتبار سے حرام قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"فالتقلید کلہ حرام فی جمیع الشرائع اولھا عن آخرھا---" [28]

"اول تا آخر تمام شریعتوں میں تقلید حرام رہی ہے۔"

اقسام مجتہد:

چونکہ ابن حزمؒ کے نزدیک ہر شخص کو اپنی اہلیت کے مطابق اجتہاد کرنا چاہئے لہذا اس اعتبار سے لوگ یعنی مجتہدین چند اقسام میں منقسم ہو جاتے ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تین قسمیں ہیں:

1. مصیب: ایسا مجتہد جس کی بات کے برحق ہونے کا یقین ہو۔
2. مخطی: ایسا مجتہد جسکی بات کے غلط ہونے کا یقین ہو۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں:

I۔ مخطی معذور:

ایسا مجتہد جو تلاش حق کی کوشش کرتا ہے اور غلط موقف اختیار کر لیتا ہے اور اسی کو درست سمجھتا ہے۔ اس کو اکہرا اجر دیا جاتا ہے۔

II۔ مخطی غیر معذور:

ایسا مجتہد جسکو اپنے موقف کے غلط ہونے کا علم ہو اور پھر بھی فتویٰ دے یا جس کے پاس اپنے موقف کے بر حق ہونے کی یقینی دلیل نہ ہو۔[29]

3. متوقف: ایسا مجتہد جس کے مصیب یا مخطی ہونے کے بارے میں تردد ہو۔

مجتہدین کی یہ تین قسمیں ہمارے اعتبار سے بنتی ہیں۔ اللہ کے اعتبار سے پہلی دو قسمیں ہی ہیں کیونکہ اللہ کا علم کامل واکمل ہے اور ہر چیز اسکے احاطے میں ہے۔ اس کی طرف سے تیسری قسم کے مجتہدین کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

پہلی قسم کے مجتہد کو خود بھی اپنے اجتہاد پر عمل کرنا چاہئے اور وہ فتویٰ بھی دے سکتا ہے جبکہ دوسری قسم کے مجتہد کو فتویٰ و عمل سے باز رہنا چاہئے اور تیسری قسم کے مجتہد کو تلاش حق کی جدوجہد جاری رکھنی چاہئے کیونکہ کسی دوسرے کے پاس اسکا قطعی علم ضرور ہوگا۔ اس لئے کہ شریعت تبیانًالکل شیٔ کا مظہر ہے۔

غیر معتبر ماخذ:

شریعت کا نفاذ بھی ضروری ہے اور احکام شریعہ معلوم کرنے کیلئے اجتہاد بھی ناگزیر ہے۔ تو شرعی احکامات کہاں سے معلوم کئے جاسکتے ہیں؟ ان کا ماخذ کیا ہے؟ قرآن وسنت ان کا ماخذ ہے۔ کیا قرآن سنت کے علاوہ بھی ان کا ماخذ ہو سکتا ہے؟ ابن حزمؒ کے نزدیک درج ذیل ماخذ غیر معتبر ماخذ شریعت ہیں اور ان سے اجتناب ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اجتہاد کی عمارت ہی اس بنیاد پر کھڑی ہو جائے جو بنیاد بننے کے اہلیت نہ رکھتی ہو۔

حدیث مرسل

صحابی کا مشہور قول جب کسی دوسرے صحابی نے مخالفت نہ کی ہو،

دلیل الخطاب،

تعامل اہل مدینہ،

کسی عالم کا قول[30]

ان سب کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔ سردست یہ ذکر نا مقصد ہے کہ امام ابن حزمؒ کے نزدیک اجتہاد کی بنیاد مندرجہ بالا امور پر قائم نہیں کی جاسکتی۔ شرعی حکم معلوم کرنے کیلئے قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنا ہوگا یا اجماع کو دیکھا جائے گا جس کی طرف قرآن وسنت ہی نے رہنمائی کی ہے۔ ذیل میں ابن حزمؒ کے نزدیک اجتہاد کے اساسی ماخذ کو ذکر کیا جاتا ہے۔

امام ابن حزم کے نزدیک اصل الاصول قرآن کو ہی سمجھا جاتا ہے اور اس سے سنت و اجماع کی حجت ثابت ہوتی ہے اور یہیں سے دلیل تشکیل پاتی ہے۔ گویا حکم شرعی معلوم کرنے کیلئے انہی کی طرف توجہ کرنا ہوگی اور یہ کل چار چیزیں ہوتی ہیں:۔

1. قرآن کریم
2. سنت
3. اجماع
4. دلیل

قرآن کریم

قرآن کریم اصل مرجع ہے اور یہ مصاحف میں لکھا ہوا ہر جگہ مشہور ہے۔ اس میں جو کچھ ہے اس کی اتباع ضروری ہے۔ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی کسی بھی جماعت نے قرآن کے ماخذ شریعت ہونے کا اختلاف نہیں کیا خواہ وہ اہل سنت ہو یا معتزلہ، خوارج، مرجئہ یا زیدیہ۔ ہاں صرف کفار اور مشرکین نے اسکے حجت ہونے کا انکار کیا ہے۔[31]

قرآن ہر چیز کو بیان کرتا ہے اور یہ اسکی صفت ہے کہ یہ تبیانا لکل شئی و هدی ورحمة وبشری للمسلمین ہے۔ بلکہ قرآن میں ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ [32]

مگر قرآن کے اس بیان کو سمجھنے کیلئے ہمیں سیرت طیبہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

ابن حزمؒ کے نزدیک قرآن میں دو طرح کی چیزیں واضح نہیں ہیں:

1. حروف مقطعات
2. قسمیں

مقطعات سے مراد بعض سورتوں کے آغاز میں آنیوالی آیات جیسے الٓمٓ، کھیعٓص، قٓ وغیرہ۔ اور قسموں سے مراد جو اللہ تعالیٰ نے قسمیں اٹھائی ہیں، مثلاً 'والتین، والزیتون' وغیرہ ان دو چیزوں کو متشابہ کہا جاتا ہے اور ان کے علاوہ سارا قرآن واضح ہے۔

قرآن اور فہم انسانی:

علاوہ ازیں یہ بھی واضح رہے جس طرح بارش اور سورج کی روشنی سے زمین اور دیگر اشیاء اپنی صلاحیت وظرف کے مطابق حصہ لیتی ہیں اسی طرح قرآن اپنے بیان میں واضح ہونے کے باوجود فہم انسانی کے درجات مختلف ہونے کی وجہ سے ایک کسی بات کو سمجھ پاتا ہے اور دوسرا نہیں۔ بعض اوقات بہت ہی ذہین آدمی بھی عام سی بات کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اسکی کئی امثلہ آپ ﷺ کے دور میں ملتی ہیں۔ جیسا کہ﴿حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾[33] کے فہم معنی میں عدی بن حاتم اس غلط فہمی کا شکار ہوئے کہ اس سے مراد حقیقی دھاگہ ہے۔

ابن حزمؒ یہاں سے اخذ کرتے ہیں کہ قرآن بذات خود اپنے مطالب میں واضح اور مبین ہے مگر قرآن کے فہم وادراک میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔[34]

حدیث نبوی

لغت کے اندر حدیث بات چیت کو کہتے ہیں جبکہ اصطلاح میں آپ ﷺ کے قول، فعل یا تقریر[35] کو حدیث کہتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن و حدیث ایک دوسرے کی تشریح وتوضیح کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے معانی کی تکمیل کرتے ہیں۔ حدیث و سنت کی اس حیثیت کا انکار کوئی نہیں کرتا البتہ اسکے حجت ہونے کی حیثیت کے بعض لوگ منکر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ خود بے حیثیت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى () إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴾[36]

" آپ ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، آپ کا ہر ارشاد وحی کا ترجمان ہوتا ہے۔"

دوسرے مقام پر ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[37]

لہٰذا وحی کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ایک وحی متلو جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن۔ دوسری قسم جو رسول اللہ ﷺ وضاحت میں بیان کرتے ہیں۔اسے وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

اس ساری وضاحت کے بعد امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو کی اطاعت بھی ضروری قرار دی ہے اور وجوب اطاعت میں یہ وحی کی پہلی قسم یعنی قرآن کریم کے برابر ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔لہٰذا احدیث بھی قرآن کریم کی طرح شریعت کا مستقل ماخذ ہوئی۔قرآن وسنت کو امام ابن حزمؒ عموماً نصوص سے تعبیر کرتے ہیں۔

اصطلاحی طور پر آپ ﷺ کے قول فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔گویا حدیث کی تین اقسام ہوئیں:

1. قولی حدیث
2. فعلی حدیث
3. تقریری حدیث

صرف قولی حدیث سے وجوب:

امام ابن حزمؒ کے نزدیک صرف قولی حدیث سے وجوب ثابت ہوتا ہے، فعلی یا تقریری سے نہیں،الّا یہ کہ کوئی قرینہ مل جائے۔مثلاً ابن عباسؓ کو نماز کے دوران اپنی بائیں جانب سے دائیں جانب موڑنا قرینے کی بنا پر یہ آپ کے قول کے قائم مقام ہے۔[38]

امام ابن حزمؒ کے نزدیک فعلی یا تقریری احادیث وجوب پر دالالت نہیں کرتیں اس لئے کہ آپ ﷺ کے افعال صرف نمونہ ہیں اور نمونہ پر عمل کرنا واجب نہیں ہوتا اگر واجب ہوتا تو آیت مبارکہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[39] تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے،اس آیت میں " لقد کان لکم " کی بجائے " لقد کان علیکم " ہوتا۔ ان الفاظ میں نمونہ پر عمل پیرا ہونا مومنوں پر واجب ہوجاتا۔

دوسرا یہ کہ آپ ﷺ تبلیغ پر مامور تھے اور تبلیغ قول سے ہوتی ہے۔ظاہریت کا تقاضا بھی ہے کہ وجوب احکام صرف اقوال ہی سے سمجھاجائے۔ صحیح بات بھی یہی نظر آتی ہے کہ

آپ ﷺ کے افعال کا حکم قرائن سے اخذ کرنا چاہئے اور وجوب کا اثبات صرف اقوال ہی سے نہیں ہوتا بلکہ قرینے والے افعال سے بھی وجوب کا اثبات ہوتا ہے۔

قرآن وسنت کا تعلق:

ابن حزمؒ قرآن کو اصل مرجع، اصل الاصول اور مصدر المصادر قرار دیتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ حدیث وسنت کو بھی اساسات شریعت میں شمار کرتے ہیں کیوں کہ قرآن اس کی حجیت ثابت کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک ہی چشمے کے دو دھارے ہیں۔ ان کا منبع ذات باری تعالیٰ ہے۔

احادیث وسنن قرآنی آیات کی تشریح وتوضیح کرتی ہیں۔ انہیں نظر انداز کرکے قرآن کی خود ساختہ تشریح کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ ابن حزمؒ قرآن وسنت میں بطور حجت واطاعت کے کوئی فرق نہیں کرتے، لکھتے ہیں:

"والقرآن والخبر الصحیح بعضها مضاف الیٰ بعض وهما شیئ واحد فی انهما من عند الله تعلی وحکمهما حکم واحد فی باب وجوب الطاعة لهما---"[40]

اجماع

کسی بھی مسئلے میں اہل علم کا اتفاق ہوگا یا اختلاف۔ جہاں سب کا اتفاق ہو اسے اجماع کہتے ہیں۔ لغت میں لفظ اجماع عزم کرنے کے اور اتفاق کرنے کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ یہ بات بدیہی طور پر ثابت ہے کہ کسی بت کا اجماع ہونا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور جو بات اللہ کی طرف سے ہو وہ یقینی طور پر ہوتی ہے کیوں کہ اختلاف اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔[41]

ابن حزمؒ بیان کرتے ہیں کہ مسلم علماء کا کسی بات پر اتفاق واتحاد ہونا حجت ہے اور قطعی طور پر حق ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔ بالفاظ دیگر پوری امت گمراہی پر اتفاق نہیں کرسکتی۔

ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ ھمارا اختلاف حجیت اجماع پر نہیں بلکہ اختلاف اس بات پر ہے:۔

1. ان کے نزدیک نص کے بغیر بھی اجماع ہوسکتا ہے
2. اجماع کا دعویٰ جبکہ وہاں اجماع کا دعویٰ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

ابن حزمؒ واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ نص کے بغیر اجماع معتبر بھی نہیں اور عملاً ہو بھی نہیں سکتا۔ فرماتے ہیں کہ یہ نص رسول اللہ ﷺ کا قول ہو گا یا فعل یا تقریر۔

چونکہ دین مکمل ہو چکا ہے۔اور آپ ﷺ کے بعد اس میں کسی طرح کے اضافے کی کوئی گنجائش نہیں۔ فرماتے ہیں:

" وهٰذا باطل ان يجمع علىٰ شئ من الدين لم يات به قرآن و لا سنة---"[42]

جس چیز کو قرآن وسنت نے ذکر نہیں کیا اس پر اجماع ہونا بھی باطل ہے۔

ابن حزمؒ نے اجماع کی تعریف میں یہ بات رکھ دی کہ وہ نبی پر نص ہو، اور تمام علماء اسلام اس پر متفق ہوں۔ تمام علماء اسلام کا اتفاق کیسے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ پوری دنیا میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اسی بات کو سامنے رکھتے ہوئے ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ صرف صحابہ کرام کے مابین اجماع ہو سکتا تھا اور ہوا بھی مگر ان کے دور کے بعد یہ ممکن نہیں ۔لوگ منتشر ہو گئے ۔یمن، عمان، بحرین، طائف، مکہ، نجد، سندھ، کابل، اندلس، افریقی علاقے اور پتا نہیں کہاں کہاں علماء اسلام پھیل گئے اور ان سب کا اجماع ناممکن ہے۔

عصری صحابہ کے بعد اجماع کے نہ ہونے پر مزید لکھتے ہیں کہ لوگوں کے نظریات، طبیعتیں اور مزاج مختلف ہوتے ہیں اور وہ سب اپنے مؤقف کی تائید اور دوسرے کی تردید پسند کرتے ہیں۔ پھر اس پسند وناپسند کے بہت درجات ہیں۔ کچھ نرم دل ہوتے ہیں اور کچھ شدت پسند، کچھ محنتی ہوتے ہیں اور کچھ تن آسان، بعض ناز ونعمت چاہتے ہیں اور بعض سختی، کچھ معتدل ہوتے ہیں، بعض ترش ہوتے ہیں اور بعض حلیم و بردبار۔لہٰذا ان عادات و طبائع کے اختلاف کی بنا پر انکا اتفاق کرنا ممکن نہیں۔ صرف دو ہی چیزیں انہیں متفق کر دسکتی۔

i. محسوسات اور حسی امور: ان کا شریعت میں سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

ii. نص: آپ ﷺ کی تعلیم

اس کے بغیر کوئی اجماع، اجماع نہیں۔[43]

زمانہ صحابہ اور اجماع:

ابن حزمؒ اجماع کے معاملے میں صرف صحابہ کرام کو معتبر قرار دیتے ہیں۔ان کا اجماع ہی حقیقی اجماع ہے جس کی پیروی ضروری ہے اور ان کے علاوہ اجماع کی کوئی حیثیت نہیں۔لکھتے ہیں:

" ابو سلیمان اور ہمارے کئی ایک ساتھیوں کا قول ہے کہ اجماع دراصل صحابہ کرام ہی کا ہے۔صحابہ نے کسی مسئلے میں آپ ﷺ کی تعلیمات سے روشناس ہو کر ہی کسی بات پر اجماع کیا۔یہ بھی طے شدہ ہے کہ اجماع صرف وہی ہے جو آپ ﷺ کے فرمودات پر مبنی ہو اور دوسری وجہ یہ کہ اس دور میں تمام صحابہ مؤمن تھے اور ان کے علاوہ لوگوں میں کوئی اور مؤمن نہ تھا۔لہذا ان کا اجماع مؤمنین کا اجماع ہو گا اور قطعی ہو گا۔عصر صحابہ کے بعد لوگوں میں مؤمن بھی تھے اور کافر بھی۔تمام کے تمام مؤمن نہ تھے۔بعض مؤمنین کا اجماع معتبر نہ ہو گا کیوں کہ اجماع کیلئے سب کا شریک ہونا ضروری ہے۔مزید یہ کہ صحابہ کی تعداد کم تھی لہذا اجماع میں آسانی سے ان کی شرکت کا پتا چل جاتا تھا جبکہ بعد کے ادوار میں ایسا نہ تھا۔"[44]

ابن حزمؒ اجماع کیلئے صرف صحابہ کو معتبر مانتے ہیں لہذا ان کے نزدیک صحابہ کے بعد اجماع منعقد نہیں ہو گا۔گزشتہ مبحث میں ایک قول ذکر کیا تھا کہ کوئی بھی زمانہ ہو، صحابہ کا یا بعد کا اجماع صحیح ہو گا،اس قول کی تردید میں فرماتے ہیں:

" اگر صحابہ کے بعد ہونے والا اجماع اس امر پر منعقد ہوا ہو جس پر اس سے پہلے دور صحابہ میں اجماع واقع ہو چکا تھا تو اس کی ضرورت ہی نہیں۔صرف صحابہ کا اجماع کافی ہے۔اگر ایسے امر پر ہو جس میں صحابہ کے مابین اختلاف تھا یا صحابہ سے اس سلسلے میں کوئی قول منقول ہی نہ تھا یا بعض کا قول معلوم تھا مگر سب کا نہیں،اس صورت میں بعد کا اجماع معتبر نہیں خصوصاً جب صحابہ آپس میں مختلف ہوں، یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی امر میں صحابہ میں اختلاف ہو اور بعد میں لوگ ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں۔یہ بھی جائز نہیں کہ جو فکر و تدبر ان کے لئے روا ہو بعد والوں کے لئے ناروا ٹھہرے۔ایسا اجماع اس لئے بھی باطل ہے کہ وہ مؤمنین کا اجماع نہیں کیوں کہ سب مؤمنین کو جمع کرنا ناممکن نہیں۔"[45]

آپ دلائل کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اجماع صرف صحابہ کرام کا معتبر ہے، ان کے علاوہ کسی کا نہیں۔

بلکہ ابن حزمؒ تو یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ کے تعامل کی حجیت کے دعوے دار صرف امام مالک کی برتری ثابت کرنے کے لئے یہ دعویٰ کرتے ہیں تا کہ امام مالک کی تقلید ثابت کر سکیں، دیگر علماء مدینہ سے انہیں کوئی سور کار نہیں۔

دلیل

قرآن و سنت اور اجماع کے بعد ابن حزمؒ ایک اور ماخذ بطور استنباط و استدلال استعمال کرتے ہیں اور اسے دلیل کا نام دیتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ابن حزمؒ قیاس کی نفی کرتے ہیں لیکن ضرورت کے تحت دلیل کے نام سے اس سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ابن حزمؒ کے نزدیک دلیل کوئی الگ سے ماخذ شریعت نہیں ہے۔ یہ تو قرآن و سنت اور اجماع ہی سے ماخوذ و مستنبط ہوتی ہے۔

کیا نص، دلیل اور قیاس ایک ہی ہے؟

ابن حزمؒ دلیل اور قیاس میں فرق کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"نادانوں کا خیال ہے کہ ہم نے دلیل کو تسلیم کر کے نص و اجماع سے بعد اختیار کر لیا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ قیاس اور دلیل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں مگر یہ بات بے حقیقت ہے۔ ہم دلیل کی ایسی توضیح کریں گے کہ تمام شبہات ختم ہو جائیں گے۔[46]

ابن حزمؒ واضح کرتے ہیں کہ دلیل دراصل نص اور اجماع کے اندر موجود ہوتی ہے جبکہ قیاس میں نص میں سے کسی کی علت کا استخراج کیا جاتا ہے پھر اس علت کی وجہ سے منصوص حکم دوسری جگہ لاگو کیا جاتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نص کے اندر دلیل کے ہونے کا کیا مطلب ہے؟ نص اور دلیل تو ایک ہی چیز ہوئی۔ ابن حزمؒ نص اور دلیل میں فرق بتاتے ہیں کہ دراصل الفاظ، انکا ڈھانچہ جملے کی ترکیب وغیرہ مختلف امور پر دلالت کرتے ہیں۔ لہذا لفظی و غیر لفظی ہی کو اکثر دلیل کہا جاتا ہے۔ شائد

اہل ظواہر کے نزدیک نص کا ظاہر صرف اس کے الفاظ ہیں، مدلولات یا دلالات یا مفہوم نص کو سمجھنے کے لئے دلیل کی طرف جانا پڑتا ہے اور مگر وہ انہی کی بنیاد پر مسائل کا اخذ واستنباط کرتے ہیں۔

دلیل اور اسکی اقسام:

چونکہ ابن حزمؒ کے نزدیک دلیل، نص اور اجماع کے علاوہ کوئی خارج کی چیز نہیں ہے بلکہ نص واجماع کے تحت ہے لہذا وہ بنیادی طور پر دلیل کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں

1. اجماع کے تحت دلیل
2. نص کے تحت دلیل

اجماع کے تحت دلیل کو ابن حزمؒ چار اقسام میں تقسیم کرتے ہیں اور انہیں اجماع سے الگ قرار نہیں دیتے

i. استصحاب الحال
ii. اقل ما قیل
iii. ترک قول پر اجماع
iv. اس بات پر اجماع کہ تمام مسلمانوں کا حکم برابر ہے۔

نص کے تحت دلیل کو ابن حزم سات اقسام میں تقسیم کرتے ہیں کسی کو نص سے خارج نہیں سمجھتے۔

i. ایسا نتیجہ جو نص میں موجود نہ ہو جبکہ اسکے مقدمے موجود ہوں۔ مثلاً ہر نشہ آور خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔ اس نص سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہر نشہ آور حرام ہے

ii. کسی چیز کو کسی چیز کے معلق کر دینا مثلاً " ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف " جب وہ باز آجائیں تو بخش دیے جائیں گے

iii. کسی لفظ سے کوئی ضروری معنی سمجھنا مثلاً " ان ابراھیم لاواہ حلیم" اس سے یہ اخذ کرنا، ہ ابراہیمؑ پاگل نہیں تھے۔

iv. کئی اقسام میں سے ایک کو بر قرار رکھنا مثلاً ایک چیز حرام ہو گی یا فرض یا مباح، اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اب اگر ایک چیز حرام بھی نہیں اور فرض بھی نہیں تو یہاں سے یہ اخذ کرنا کہ وہ مباح ہے

v. درجات کا ہونا اور یہ کہ پہلا بعد والے پر مقدم ہے مثلاً ابو بکرؓ عمرؓ سے افضل ہیں اور عمرؓ عثمانؓ سے افضل ہیں۔ یہاں سے یہ اخذ کرنا کہ ابو بکرؓ عثمانؓ سے افضل ہیں۔

vi. عکس قضایا، مثلاً ہر نشہ اور چیز حرام ہے۔ یہاں سے اخذ کرتے ہوئے یہ کہنا کہ بعض حرام اشیاء حرام ہوتی ہیں۔

vii. جملے میں سے کسی ضروری معنی کا اخذ ہونا مثلاً "زید لکھ رہا ہے"۔ یہاں سے یہ اخذ کرنا کہ وہ زندہ ہے اور لکھنے والے عضو لکھنے کے قابل ہیں۔ اور اس کے پاس لکھنے والی کوئی چیز ہے۔[47]

ابن حزم انہی دلالات کو استعمال کرتے ہیں اور اسے دلیل کا نام دیتے ہیں جو کہ نص کے تحت ہی ہے خارج نہیں۔ فرماتے ہیں:

ہم انہی دلائل کو استعمال کرتے ہیں اور یہ سب کے سب نص کے تابع ہیں ااور ان سے خارج نہیں۔ یہ تمام اقسام دو چیزوں میں سے ایک ضرور ہیں۔ یا اجمال کی تفصیل ہیں یہ ایک ہی بات کا مختلف عبارتوں اظہار ہے۔[48]

ابن حزم مزید وضاحت کرتے ہیں کہ دلیل اور علت الگ الگ چیزیں ہیں، دلیل نص یا اجماع ہی کے اندر ہوتی ہے اور علت نص یا اجماع سے الگ خارج شے ہے۔ ۔علت کے ذریعے منصوص اور غیر منصوص کے اندر حکم لاگو کیا جاتا ہے۔ منصوص میں سے کسی حکم کو غیر منصوص تک لے جانا قیاس کہلاتا ہے اور ابن حزم قیاس کے سخت مخالف ہیں۔

حاصل کلام:

نتیجہ بحث یہ ہے کہ ابن حزم کے نزدیک اجتہاد و استدلال کے بغیر چارہ کار نہیں اور ہر شخص کو بقدر استطاعت اس میں حصہ ڈالنا چاہیے اور یہ کہ استدلال کے بنیادی ماخذ قرآن و سنت، اجماع اور دلیل ہیں اور ان میں سے بھی اصل قرآن و سنت ہے۔ اجماع اسی وقت ہے جب اس کا مبنیٰ نص ہو۔ اور دلیل دراصل نص یا اجماع ہی کے تابع ہے کوئی الگ سے خارج کی چیز نہیں۔

حوالہ جات و حواشی

[1] الذهبی، سیر اعلام النبلاء، مؤسسة الرسالة،الطبعة الثالثة: 1985 ، ص: 186/18

[2] ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، تحقیق:احمد شاکر، دار الآفاق الجدیدة، بیروت، ص : 121/5

[3] ابن حزم، النبذ فی اصول الفقه، تحقیق: محمد احمد، دار الکتب العلمیة، بیروت،1405ھ، ص :55

[4] سابق مصدر ،ص : 57

[5] الاحکام فی اصول الاحکام : 128/5

[6] النبذ فی اصول الفقہ الظاہری ، ص:71

[7] الاحکام :106/1 ، 150/1 ، 121/2

[8] ابن حزم، المحلی بالآثار، دار الفکر، بیروت: 96/2

[9] یونس10 :68

[10] النساء 65:4

[11] الاحکام : 98/1

[12] الاحکام:107/4

[13] المائدة 3:5

[14] الانعام 38:6

[15] الاحکام: 2/8

[16] الاحکام : 133/8

[17] کوئی ایسا معاملہ جسے پتا چلنے کے بعد آپ نے برقرار رکھا ہو۔ الاحکام :134/8

[18] الاعراف158:7

[19] الاحکام : 110/5

[20] الا حکام :121/5

[21] النبذ فی اصول الفقہ، ص:54

[22] الاعراف7 :3

[23] سورة البقرة2 :170

[24] سورة النساء 59:4

[25] سورة الزمر39 :17

[26] الاحکام : 126/2

[27] الاحکام : 127/6

[28] الاحکام : 150/6

[29] الاحکام : 138/8

[30] الاحکام : 134/8

[31] الاحکام: 96/1
[32] الانعام 38:6
[33] البقرة187:2
[34] الاحکام:88/1
[35]کوئی ایسا معاملہ جسے آپ ﷺ نے برقرار رکھا ہو۔ الاحکام :134/8
[36] النجم4:53
[37] النحل16 :44
[38] الاحکام:50/4
[39] الاحزاب 21:33
[40] الاحکام :98/1
[41] النبذ، ص:38
[42] الاحکام : 137/4
[43] المصدر السابق: 256/7
[44] المصدر السابق:147/4
[45] النبذ، ص:44
[46] الاحکام:105/5
[47] الاحکام فی اصول الاحکام :107/5
[48] مصدر سابق :107/5